میرزا ادیب کی خاکہ نگاری

ڈاکٹر نسیم عباس احمر
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

MEERZA ADEEB' LITERARY SKETCHS

Naseem Abbas Ahmar, PhD
Assistant Professor of Urdu
University of Sargodha

Abstract

Meerza Adeeb is a prominent Urdu writer of twentieth century who had multi-dimensional skills. He wrote short stories, novel, dramas and pen sketches. In this article, his pen sketches of renowned literary personalities like Manto, Sajjad Zaheer, Kamal Ahmad Rizvi etc have been discussed in a way that not only the outer personality of particular writer and his works come forth vividly but he draws the sketches in a way that cultural, social and psychological aspects become clear.

Keywords:
Salahuddin Ahmad, Akhtar Shirani, Sadat Hasan Manto, Mustafa Zaidi, Kamal Rizvi, Sajjad Zaheer, Shahid Ahmad Dehlvi, Meerza Adeeb

میرزا ادیب ہمہ جہت ادیب ہیں، جنھوں نے تخلیق کے تمام اسالیب اور قرینوں کو برتا۔ ابتدا شاعری سے کی، قلم طولانی پر مائل ہوا تو رومانی تخیل نے صحرا نورد کا رُوپ دھارا۔ افسانے لکھے، ڈرامے پیش کیے۔ ناول لکھا، سفرنامہ اور بچوں کے ادب کا بسیط سرمایہ، ادب کی جھولی میں ڈال دیا۔ ذات کو اخفا سے افشا میں لانے کے لیے خودنوشت لکھ کر کھلی کتاب بن گئے۔ میرزا ادیب کے تخلیقی سرمائے میں خاکہ نگاری کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے مختلف شخصیات کے خاکے لکھے، جو ان کے خاکوں کے مجموعے ''ناخن کا قرض'' اور خودنوشت سوانح حیات ''مٹی کا دیا'' میں موجود ہیں۔ اس حوالے سے اُن کی کتاب ''ناخن کا قرض'' اہم ہے جس میں گیارہ شخصیات کے خاکے ہیں۔ اُن شخصیات میں؛ دس شخصیات ادبی دنیا سے وابستہ ہیں اور ایک شخصیت سے اُن کے ذاتی مراسم رہے ہیں، جو اُن کے ماموں زاد بھائی مہر اسحٰق کا خاکہ ہے۔ ادبی شخصیات میں صلاح الدین احمد، اختر شیرانی، ابن انشا، عبدالرحیم شبلی، شاہد احمد دہلوی، سجاد ظہیر، دیویندر ستیارتھی، سعادت حسن منٹو، مصطفیٰ زیدی اور کمال احمد رضوی شامل ہیں۔ انھوں نے خودنوشت سوانح حیات ''مٹی کا دیا'' میں تمیس شخصیات کی خاکہ نمایا دداشتوں کے علاوہ جو خاکے لکھے اس کی تفصیل یہ ہے:

- مخفی کوہستانی، نقوش، لاہور، شخصیات نمبر، جلد اوّل: ۱۹۵۸ء
- سید یزدانی جالندھری، ماہِ نو، لاہور، مئی ۱۹۸۵ء
- پیر جی (رفیع پیر)، جریدہ، پشاور، بہار ۱۹۸۶ء
- مشفق خواجہ۔ کچھ شخصی جھلکیاں، اوراق، لاہور، نومبر دسمبر ۱۹۸۷ء

سر دست ان کے خاکوں کے مجموعہ ''ناخن کا قرض'' کے مطالعہ سے ان کی خاکہ نگاری کی شعریات کا تعین کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں حلیہ نگاری، کردار نگاری، موضوع شخصیت کی ادبی حیثیت اور معرکہ آرائیاں، تہذیبی رچاؤ، بے تکلفی، شگفتگی اور اسلوب کی چاشنی، نمایاں اور غالب خصوصیات ہیں۔

اُنھوں نے شخصیت کے نمایاں پہلو کو خاکے کا عنوان یا سرخی بنایا ہے مثلاً مولانا صلاح الدین احمد: کھنڈر اور روشنی، اختر شیرانی: برگِ آوارہ، سجاد ظہیر: ایک شخص سراپا خوشبو، ابن انشا: ابنِ بطوطہ، شاہد احمد دہلوی: سلیقے سے جینے والا، سعادت حسن منٹو: ایک زندگی ایک طوفان، دیویندر ستیارتھی: جی جی جی، مصطفیٰ زیدی: تتلیوں کا شکاری وغیرہ۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر، میرزا ادیب کی خاکہ نگاری میں تہذیبی رچاؤ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اعلیٰ روایات واقدار کی نقش گری کے علاوہ یادوں کی سحر کاری کے ذریعے تہذیبی وثقافتی ترجمانی بھی ان کے خاکوں کا ایک اہم وصف ہے۔ ان کے خاکوں میں ماضی کی ایک وسیع دنیا نظر آتی ہے۔ اس اعتبار سے ان کے خاکے پچھلے پچاس برسوں کی علمی وادبی اور تہذیبی وثقافتی زندگی کا ایک

جیتا جاگتا مرقع ہیں ۔ان کے خاکوں کو پڑھتے ہوئے دیارِ لاہور کے کئی ایسے نقوش اُبھرتے ہیں جن کی آب وتاب اب ماند پڑتی جارہی ہے ۔''(۱)

میرزا ادیب نے خاکوں میں موضوع شخصیات کی خوبیوں اور خامیوں کو متوازن انداز میں نمایاں کیا ہے ۔انھوں نے ان شخصیات کے خاکے لکھے ہیں جن سے ان کے قریبی تعلق رہے اور یہ خاکے ،اُس خامی سے بھی بچ گئے ہیں جو خاکہ نگاری کی شخصی خصوصیات کے حاوی ہوجانے سے جنم لیتی ہے ۔یہ خاکے موضوع شخصیات کے حُلیے ،لباس ،گفتگو ،کردار ،اقدار ،ادبی قد وقامت ،خدمات اور اُن کی معرکہ آرائیوں سے عبارت ہیں ۔اُن کے خاکوں میں ،موضوع شخصیت کے ساتھ دیگر بہت سی شخصیات کی کردار نگاری کے عناصر بھی اُجاگر ہوتے ہیں ،یہی وجہ ہے کہ اُن کے گیارہ خاکوں میں تینتیس (۳۳) شخصیات کے کردار ،شخصی خوبیوں اور خامیوں سمیت واضح ہوتے ہیں ۔''صلاح الدین احمد: کھنڈر اور روشنی'' میں ،مولانا تاجور نجیب آبادی کی شخصیت کے کچھ پہلو بھی نمایاں ہوتے ہیں ۔تاجور نجیب آبادی ،ادب کے ایسے عاشق تھے جو اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ ،رسائل کی ادارت خاص طور پر ''ادبی دنیا'' کی نوک پلک سنوارنے پر خرچ کرتے تھے ۔مولانا صلاح الدین احمد کے نمایاں شخصی اوصاف میں ؛ہمت افزائی ،بے باکی ،حق گوئی ،جراُت مندی ،قناعت اور ایثار شامل تھے ۔اُن کی تحریروں میں ؛شگفتگی اور چٹخنی کا تال میل تھا ،نوآموز لکھاریوں کی صلاحیتوں کو نکھارنے اور چمکانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے ۔اُن کے وسیلے سے بہت سے ادیب دریافت ہوئے اور شہرت کی بلندیوں کو جا پہنچے ۔ان کی یہی خوبی ،اُس وقت خامی کا روپ اختیار کر لیتی تھی جب وہ لکھنے والے کا تعارف مبالغہ آمیز رنگ میں کرواتے تھے ۔

''اختر شیرانی :برگِ آوارہ'' میں ،جن دیگر شخصیات کا نقش اُبھرتا ہے ان میں :حافظ محمود شیرانی ،داؤد رہبر ،بشیر ہندی ،حکیم احمد شجاع اور آغا حشر کاشمیری شامل ہیں ۔اختر شیرانی ،میرزا ادیب کے شاعری میں اُستاد تھے لہٰذا اُنھوں نے اُن کا احترام بھی ملحوظ رکھا ہے اور ساتھ ساتھ اُن کی کوتاہیوں کی نشان دہی بھی سلیقے سے کی ہے جو قاری کے ذہن پہ گراں محسوس نہیں ہوتی ۔انھوں نے اختر شیرانی کی نظموں ''سلمیٰ کی فرمائش پر'' ،''سلمیٰ کی صحت یابی پر'' ،''سلمیٰ سے دل لگا کر بدنام ہو رہا ہوں'' اور ''اے عشق کہیں لے چل'' کے اثرات بھی بیان کیے ہیں اور نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' کا مخاطب ،حجاب اسماعیل کو قرار دیا ہے ۔ان نظموں کے اشعار بھی شاملِ خاکہ کیے ہیں ۔اُن کے ترجمہ کردہ ناولوں میں :الیگزینڈر ڈوماس کا ''تھری سیکٹرز'' اور ''بلیک شرٹ'' ،ڈراما ''ضحاک'' ،گوئٹے کے ناول ''نوجوان ورتھر کی داستانِ غم'' کے اسلوب کی جمالیاتی سحر طرازی کو سراہا ہے ۔شخصی اوصاف میں ،شریفانہ زندگی ،روح کی پاکیزگی ،علم سے گہری محبت ،مطالعے کا شوق ،دردمندی ،اور دوستوں کا احترام نمایاں ہیں ۔ضخیم ناول کو بھی وہ تین راتوں میں مکمل پڑھ لیتے تھے ۔جس دن کوئی نئی کتاب پڑھنے کے لیے نہ ملتی ،بے چین رہتے تھے ۔سگریٹ نوشی اور مے نوشی کی عادت بھی تھی ۔بہت سے ادیبوں کے لیے جرائم پیشہ کا لفظ بھی استعمال

کرتے تھے۔حافظ محمود شیرانی کے شوق بھی گنواتے ہیں۔پرانے سکے فراہم کرنا،تحریر شناسی،نوادرات کی جانچ اور شکار کے شوق کا ذکر بھی کیا ہے۔داؤد رہبر کے والد ڈاکٹر محمد اقبال سخت گیر مسلمان تھے۔داؤد رہبر،ان کے برعکس ثابت ہوئے البتہ اُن کی خوب صورت انشاء پردازی اور علمی قابلیت کو سراہا ہے۔بشیر ہندی،اختر شیرانی کے محبوب شاگرد تھے جو صاحبِ کردار،بذلہ سنج اور بے خوف انسان تھے۔آغا حشر سے مخالفت ہوئی تو اختر شیرانی کے کہنے پر مقدمے سے الگ ہو گئے۔منٹو سے تا عمر مخالفت رہی،منٹو کی وفات پر سب سے زیادہ غمگین بھی بشیر ہندی نظر آئے۔دوسروں کو مولانا کہنے والے بشیر ہندی بعد ازاں خود مولانا بن گئے۔حکیم احمد شجاع،سامع کی تلاش میں رہتے تھے۔اُن کی طویل گفتگو،دوسروں کے معذرت چاہنے کو بھی بہا کر لے جاتی تھی۔آغا حشر کاشمیری،دونوں آنکھوں کا درست زاویہ نذر رکھتے تھے اور جہاں جوشِ خطابت میں اپنا ثانی نذر رکھتے تھے،وہیں مغلظات سنانے میں بھی خاص ملکہ تھا۔میرزا ادیب،مذکورہ شخصیات کے بیان میں ان کی خصوصیات پر مبنی واقعات بھی دلیل کے طور پر ساتھ ساتھ دیتے جاتے ہیں۔

''سجاد ظہیر:ایک شخص سراپا خوشبو'' ایک مکمل خاکہ ہے کیوں کہ اس میں کسی دوسری شخصیت کو ذیلی سطح پر موضوع نہیں بنایا گیا۔اس خاکے کی دوسری نمایاں خوبی،سجاد ظہیر کی زندگی کے مختلف اور منفرد پہلو''تصوف سے دلچسپی'' کو نمایاں کیا گیا ہے۔سجاد ظہیر،تحریر کی درست کتابت کا عمدہ اہتمام کیا کرتے تھے۔لفظوں کی اضافت، سوالیہ نشان کے استعمال،درست املاء اور اعراب کا خاص خیال رکھتے تھے اور لفظوں کے انتخاب میں اتنے محتاط تھے کہ ان کے داخلی ترنم کے ساتھ ساتھ رُک رُک کر اور ٹھہر ٹھہر کر بولنے کے انداز کی طرح،الفاظ بھی ویسے استعمال کرتے تھے۔ترقی پسند نقطۂ نظر کے مطابق کلاسیکی ادب کو خاص اہمیت حاصل نہیں رہی البتہ سجاد ظہیر اس حوالے سے مختلف نظریہ رکھتے تھے،چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''جب سجاد ظہیر سے خط کتابت بڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب تو ادب کے معاملے میں کلاسیکی ذہن کے مالک ہیں اور فارسی کے پرانے ادب کے بڑے سنجیدہ طالب علم ہیں۔فارسی ادب کا یہ طالب علم حافظ شیرازی پر تو جان چھڑکتا ہے۔ادب کی کلاسیکی روایات کا بہت احترام کرتا ہے اور ان کی اہمیت کا قائل ہے۔''(۲)

سجاد ظہیر کا تصوف سے دلچسپی کا مظہر،ان کا میرزا ادیب سے دو کتب:''کشف المحجوب'' اور''منطق الطیر'' کا منگوانا ہے۔''ابن انشا:ابن بطوطہ'' کے خاکے میں حمید اختر کے شخصی کردار کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ابن انشا کی زندگی میں سکون محال رہا ہے۔وہ ہر وقت فکرِ سخن یا فکرِ پروگرام میں غلطاں رہتے ہیں۔کسی بھی شخص کا احوال،تین تین بار دریافت کرتے ہیں۔پیار اور محبت اُن کے ایمان کا حصہ ہے۔لکھتے جاتے ہیں ساتھ ساتھ پتلون کی کریز درست کیے جاتے ہیں،عینک کے شیشے صاف کر رہے ہیں اور مزید ارفقرے پر داد بھی وصول کیے جا رہے ہیں۔ہر

آنے والے کا خوش دلی سے استقبال کرتے، اپنی نظموں کو کاغذ کے پرزوں پر لکھ لیتے یا دیوار میں ٹھونس دیتے اور جب نظم مکمل ہو جاتی تو سب پرزوں کو جمع کر لیتے۔اُن کے ذاتی معاملات کبھی کسی پر عیاں نہ ہو سکے۔وہ انتہائی خلیق، ہمدرد اور مرنجاں مرنج آدمی تھے۔انشا، حمید اختر اور ساحر لدھیانوی کی ایسی دوستی تھی جیسے حکیم عمر خیام، حسن بن صباح اور نظام الملک طوسی کی دوستی تھی۔یہاں میرزا ادیب تاریخی شخصیات کی عمدہ مثال لائے ہیں۔''شاہد احمد دہلوی: سلیقے سے جینے والا''، میرزا ادیب کے عمدہ خاکوں میں سے ایک ہے۔اس خاکے میں مرکزی شخصیت کو ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ایجاز و اختصار کا پہلو بھی جان دار ہے۔شاہد احمد دہلوی کی آخری زندگی کی کرب ناکی کی میر سے مماثلت پیش کی گئی ہے۔اُن کی سلیقہ شعاری، وضع داری، ادب کی خدمت کے لیے لگن، ہمت افزائی اور روایات واقدار کی پاس داری کو مثالوں کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔

''عبدالرحیم شبلی: پر تماشا نہ ہوا''میں، عجب تماشا یہ ہوا ہے کہ عبدالرحیم شبلی کی شخصیت کہیں پیچھے رہ گئی ہے اور دیگر نو (۹) شخصیات: چودھری برکت علی، راجہ مہدی علی خاں، حافظ عالم، حکیم فقیر محمد چشتی، حکیم یوسف خان، خدا بخش اظہر اور ضیاء الدین شمس نمایاں ہو گئے ہیں۔یہ خاکہ، غیر ضروری طوالت کا شکار بھی ہو گیا ہے اور موضوع شخصیت سے اس قدر دُوری اختیار کی گئی ہے کہ بات نیرنگِ خیال، عالمگیر کی خصوصیت اور موازنے تک جا پہنچی ہے۔عبدالرحیم شبلی کی شخصیت کا ذکر، خاکے کے آغاز سے تیں صفحات بعد شروع ہوتا ہے۔عبدالرحیم شبلی سادہ طبع، معصوم دل، خوش باش، حاضر جواب، ذہین، بات بات پر ہنسنے والے اور شرارتیں اور چھیڑ خانی کرنے والی شخصیت تھی۔غم چھپانے میں مہارت رکھتے تھے۔کسی کو کوئی کتاب یا رسالہ نہیں دیتے تھے۔چارپائی پر لیٹے ہوئے انگلیوں سے فضا میں کچھ لکھنا، اُن کی عادت تھی۔اُنھوں نے خالدہ ادیب خانم کے ناول ''دی ڈاٹر آف دی کلاؤن'' کا اُردو ترجمہ ''ربیعہ'' کے نام سے کیا تھا۔رسالہ خیام میں ایک سلسلے ''بڑے آدمیوں کے عشق''میں، عشقیہ داستانیں رقم کرتے رہے۔میرزا ادیب نے اُن کے مزاج میں، نسوانی حسن سے عدم دلچسپی کا سُراغ، شبلی کے عہد جوانی میں ناکام عشق کے ردِعمل کی صورت میں لگایا ہے۔اِس ناکام عشق کی داستان بھی شاملِ خاکہ کی گئی ہے۔چودھری برکت علی، خوش ہوتے تو تمام لوگوں کے بیچ بیٹھے گانا شروع کر دیتے اور جیسے ہی ضروری کام یاد آتا فوراً سنجیدہ ہو جاتے۔راجہ مہدی علی خاں قہقہوں پر قہقہے لگانے والے، زُود رنج اور لڑائی کے بعد فوری صُلح پر آمادہ رہتے تھے۔البتہ ایک گھنٹہ کام کرتے تو دو گھنٹے باتیں کرنا ان کی عادت تھی۔مزاح نگار اور مترجم تھے۔ایشائی اور یورپی مصنفین کی بہت سی کہانیوں کو اُردو قالب میں ڈھالا۔حافظ عالم، پرانی وضع کے، خوشی سے ملنے والے آدمی تھے جو پہلے موذن تھے۔آواز میں کشش، مقناطیسیت، 'غ' اور 'ق' کے تلفظ کی ادائیگی میں خطیبانہ لہجہ اور گفتگو میں الحمدللہ اور بفضل تعالیٰ کا بہ کثرت استعمال کرتے تھے۔چلنے کے انداز میں، جھومنے کا انداز غالب تھا۔حکیم فقیر محمد چشتی، حکیم، مصور، شاعر، ادب نواز، یاروں کے یار، بذلہ سنج اور وضع دار شخصیت کے حامل تھے، عالمگیر کے سالنامے کے خوبصورت سرِ ورق

بناتے تھے۔اُنھوں نے آغا حشر سے دو غیر فانی نظمیں ''شکریہ یورپ'' اور ''فوج زمزم'' فرمائش پر لکھوائی تھیں۔حکیم یوسف حسن کی نیرنگِ خیال کے علاوہ دیگر خدمات رسالہ ''بائی سکوپ'' اور ہفت روزہ ''تازیانہ'' کا ذکر کیا ہے۔خدا بخش اظہر ہتوانا اور پر جوش شاعر تھے۔اُن کی نظمیں، روزنامہ زمیندار میں بھی چھپتی تھیں۔اسلامی ملکوں کی سیاسی صورتِ حال پر بھی مضمون لکھتے رہے۔تسکین پُر خلوص اور محبت کرنے والی شخصیت ہے۔فلمی رسالے اور سیاسی اخبار نکالنے کے ساتھ امروز کی نامہ نگاری بھی کی۔خوشتر گرامی باغ و بہار شخصیت تھے۔رسالہ بیسویں صدی کے مالک تھے۔خوش لباس و خوش خوراک تھے۔ان کی کتابیں :گربھ شاستر، پریم شاستر اور کام شاستر معروف ہیں۔شیخ ضیا الدین سنسی، تخلیقی ریاضت کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ایک افسانے کے لیے مہینوں محنت کرتے تھے۔اس حوالے سے میرزا ادیب نے ان کی مختلف مثالیں بھی دی ہیں۔

''سعادت حسن منٹو :ایک زندگی ایک طوفان'' بھی میرزا ادیب کے عمدہ خاکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔افسانے کو شروع کرنے سے پہلے اُس کے عنوان کے اوپر ۷۸۶ لکھتے تھے۔اسی وجہ سے اختر شیرانی، انھیں مسٹر ۷۸۶ کہا کرتے تھے۔اُن کی تحریر خوب صورت تھی۔منٹو ایک دردمند شخصیت تھے جلیاں والا باغ کا قصہ سناتے وقت، اُن کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔وہ ہنگامہ پسند، دریا دل، خوش خلق اور جدت پسند آدمی تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ ذمہ دار شوہر اور شفیق باپ بھی تھے۔بچوں سے پیار کی ایک مثال دیکھیے :

> ''ادب لطیف کے افسانے کے لیے میں اس کے ہاں پہنچا۔وہاں حسن عسکری صاحب بھی بیٹھے تھے۔منٹو کی بیگم صاحبہ محترمہ صفیہ بھی ایک طرف کوچ میں دھنسی ہوئی تھیں۔منٹو اپنی سب سے چھوٹی بچی سے پیار کر رہا تھا۔کبھی رومال سے اس کی ناک صاف کرتا، کبھی اُسے گود میں لے کر پیشانی چومتا، کبھی اُس سے بچوں کے انداز میں باتیں کرنے لگتا۔''(۳)

اُنھوں نے منٹو کے تصور انسان کو بھی واضح کیا ہے، انسان وہ بھی ہے جیسا خدا نے اُسے بنایا اور کچھ وہ بھی ہے جیسا اُسے انسان نے بنانے کی کوشش کی ہے۔

''دیویندر ستیارتھی : جی جی جی'' میں، جو شخصیات اپنا جلوہ دکھاتی ہیں، اُن میں کنہیا لال کپور، ابو سعید قریشی، اوپندر ناتھ اشک اور حضرت اغلب شامل ہیں۔ستیارتھی منکسر المزاج اور خوش خلق آدمی تھے۔ہر وقت سیاہ بیگ، جس میں اُن کی تحریریں موجود ہوتیں، اپنے ہاتھ میں رکھتے۔افسانہ نگاری کے ساتھ لوک گیتوں کی جمع آوری، اُن کا بڑا کارنامہ ہے۔وہ ہمہ وقت اپنا افسانہ سنانے کو تیار رہتے تھے، لوگ اُن سے اکثر چھپتے پھرتے نظر آئے۔ابو سعید قریشی ایک وضع دار شخصیت تھے۔کبھی کسی کا دل نہیں توڑتے تھے۔اوپندر ناتھ اشک فراخ دل، کشادہ ذہن اور خوش طبع شخصیت کے حامل تھے۔حضرت اغلب، لاہور کی نیم دیوانہ شخصیت تھے۔جناح کیپ پہنتے، خود کو غالب سے بڑا شاعر گردانتے، چلتے تو دنیا سے بے نیاز ہو جاتے، شریر لڑکے شور مچاتے، ''تھیلے والا آیا''۔میرزا ادیب نے

ستیارتھی کے بیگ اور اغلب صاحب کے بیگ کی مشابہت، حضرت اغلب کی شخصیت پر دو صفحات صرف کیے ہیں۔

مصطفیٰ زیدی: تتلیوں کے شکاری'' میں، کرشن چندر کی شخصیت پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ مصطفیٰ زیدی پر کم مگر اُن کی شاعری اور عشق کو زیادہ موضوع بنایا گیا ہے۔ کرشن چندر کا تحریر کے لیے خاص اہتمام کو بہ طور خاص بیان کیا ہے۔ وہ عمدہ، اعلیٰ اور نفیس اسٹیشنری استعمال کرتے تھے۔ مسعود اشعر لمبے لمبے حرف لکھنے کے عادی ہیں۔ ''کمال احمد رضوی: پرساپر سوپرس رام'' میں غلام عباس مولوی کی شخصیت کے نمایاں پہلو بھی پیش کیے گئے ہیں۔ غلام عباس مولوی، زندہ دل اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ کمال احمد رضوی کے شخصی کمالات میں جھوٹ بولنے کی عادت اور نرگسیت اہم ہیں۔ عمدہ کاغذ اور قلم استعمال کرتے تھے۔ تمثیل نگاری اور اداکاری سے قبل، وہ جن ادبی کاموں میں مصروف رہے اُس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ مثلاً شیخ غلام علی سنز، فیروز سنز سے وابستہ رہ کر تراجم کیے۔ مکتبۂ کارواں سے بھی وابستہ رہے اور خواتین کے رسالے ''تہذیب'' کی بھی ادارت کی۔

میرزا ادیب نے اپنے خاکوں میں موضوع شخصیات کے نمایاں اوصاف کو اجاگر کرنے میں اہم اور نمائندہ واقعات کا ہی انتخاب کیا ہے البتہ بعض اوقات طوالت، خاکے کے حسن کو مجروح کرتی ہے، خاص طور پر عبدالرحیم شبلی کا خاکہ، طوالت کے باعث، بوریت اور اکتاہٹ کے جذبے کو جنم دیتا ہے۔ میرزا ادیب نے موضوع شخصیات کی حلیہ نگاری پر بھی زورِ قلم صَرف کیا ہے۔ حُلیے کا بیان مختصراً کیا ہے۔ چند مقامات پر حُلیے کی تشکیل کے لیے مختلف مثالوں سے بھی مدد لی ہے۔ چودھری برکت علی کے حلیے کی مثال دیکھیے:

> ''فربہی میں ڈاکٹر جانسن کی نسل سے تو تعلق نہیں رکھتے تھے مگر نمک دان والے مجید لاہوری کا مختصر ایڈیشن ضرور تھے۔ بھرا بھرا چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں عینک کے شیشوں کے پیچھے مضطرب سی، چوڑے چکلے بازو اور گوشت سے بھرے ہاتھ۔''(۴)

میرزا ادیب حلیے کے ساتھ لباس کی منظر کشی بھی کرتے ہیں۔ میرزا ادیب کا موضوع شخصیات سے تعلق ''ادبِ لطیف'' کے دفتر میں ادارت کے دنوں سے قائم ہوا۔ اس بنا پر اُن کے تمام خاکوں میں تخلیقات کی اشاعت، خط کتابت، حوصلہ افزائی یا حوصلہ شکنی کا ذکر مشترک رہا ہے۔ لاہور کے تہذیبی مرکز میں، ادیبوں کے سرِ شام بیٹھنے یا اکٹھے ہونے کے اہم مقامات کا بھی ذِکر ہے۔ عبدالرحیم شبلی اور اختر شیرانی کے خاکے میں عرب ہوٹل کا ذکر ہے جہاں مختلف ادیب، خیالات کے تبادلے کے لیے مل بیٹھتے تھے۔ اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف روایتیں ہیں مثلاً ابن انشا کے خاکے میں میکلوڈ روڈ کا ذکر ہے، جہاں پاکستانی فلمی صنعت سے وابستہ ستارے بغیر میک اپ کے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں سرِ شام اس بازار کی رونق شروع ہوتی ہے۔ اسی روڈ پر نشاط سینما بھی ہے اور دیگر سینما گھر بھی ہیں، جو اس شہر کی پرانی روایات کا حصہ بن چکے ہیں۔ اقبال پارک کو بھی لاہور کے اہم مقامات کا درجہ حاصل ہے۔ عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں اس پارک کا ذکر ہوا ہے، جس میں اس پارک کے محلِ وقوع کو پیش کیا گیا

ہے ۔مینارِ پاکستان، شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد، مرقدِ اقبال اور حضوری باغ، اس پارک سے ملحقہ اہم مقامات بیان ہوئے ہیں ۔بعض پرانے بازاروں اور حویلیوں کا ذکر بھی ملتا ہے ۔عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں سید مٹھا بازار سے متصل پرانی تحصیل کی وجہ سے تحصیل بازار کا نام معروف ہونے کا حوالہ دیا گیا ہے اسی طرح کٹھی بازار اور لوہاری بازار کے درمیانی راستے میں واقع پرانی حویلی کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے، جو مغلیہ دور کی یادگار ہے ۔پرانی کتابوں کی دکانوں کا ذکر بھی کئی جگہ ملتا ہے مثلاً سجاد ظہیر کے خاکے میں کشمیری بازار کی دو تین پرانی کتابوں کی دکانوں کا ذکر ہے ۔اِسی طرح عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں پنجاب ریلجس بک سوسائٹی کے قریب سڑک پر پرانی کتب کی فروخت اور لوہاری دروازے کے باہر اُردو اکیڈمی میں محمد حنیف کی کتابوں کی دکان کا حوالہ دیا گیا ہے ۔انارکلی بازار، لاہور کی پہچان ہے، اس حوالے سے بھی بہت تفصیل بیان کی گئی ہے ۔انارکلی بازار کا احوال ملاحظہ ہو:

> ''لاہور کی انارکلی، شہر کا سب سے پُر رونق بازار ہے .....انارکلی لاہور کا دھڑکتا ہوا دل ہے ۔اس کی رونق بس اس کی اپنی رونق ہے .....انارکلی کی ہماہمی، گہما گہمی، ہنگامہ آرائی میں کمی یا اضافہ ہوتا رہتا ہے .....وہ روح جو اس کم ہوتی یا بڑھتی ہوئی رونق کے پیچھے متحرک ہے وہی ہے جو مدتوں پہلے تھی ۔اس زمانے میں جب یہاں غیر مسلم دکان داروں کی اکثریت تھی، یہی رُوح جلوہ فشاں تھی اور آج بھی جب سارے بازار میں مسلمان ہی مسلمان آباد ہیں، یہی رُوح برسرِ عمل ہے ۔صبح سویرے جب کم و بیش ساری دکانیں بند ہوں انارکلی میں جائیں تو اُس وقت رونق کا احساس یقیناً ہوتا ہے ۔''(۵)

میرزا ادیب کے خاکوں میں مشرقی روایات، اقدار اور آداب کا عمل دخل بھی موجود ہے ۔اس حوالے سے اہم خاکوں میں اختر شیرانی، شاہد احمد دہلوی اور عبدالرحیم شبلی کے خاکے شامل ہیں ۔وہ اختر شیرانی کے خلوص و محبت اور اقدار کی پاس داری کو اُن کے والد حافظ محمود شیرانی کی تربیت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں ۔اختر شیرانی جب بھی اپنے ابا جان کا ذکر کرتے، ادب و احترام سے اُن کی آنکھیں جُھک جاتیں ۔وہ اپنے باپ کے احکامات کی تعمیل میں ہمہ وقت تیار رہتے ۔کوئی فرمائشی نظم لکھنی ہو، یونیورسٹی سے پرچے لانا ہوں یا کسی دُکان دار کا قرض ادا کرنا ہو، شکار پر جانے سے پہلے والد صاحب کے ساتھیوں کو اطلاع دینے میں مستعد رہتے ۔شاہد احمد دہلوی بھی دہلوی روایات کے امین تھے ۔شرافت، وضع داری، خلوص اور محبت کے احساسات، دہلویت کی ثقافت کے مظہر تھے ۔دہلی کی جامع مسجد کی وسعت و پاکیزگی، دہلی کے لال قلعے کی عظمت، مغلوں کی قلبی وسعت اور لطافت، میر و درد کا سوز و گداز اور غالب کی انسان دوستی، خاص دہلویت کے مرقع ہیں ۔ان سب نے شاہد احمد دہلوی کی تربیت میں حصہ لیا تھا ۔اُن کی بذلہ سنجی، تہذیبی محفلوں کی جان ہوا کرتی تھی ۔حافظ عالم بھی مشرقی اقدار اور تہذیب کے نمائندہ کردار ہیں ۔انھیں

کسی کے معاملے میں دلچسپی نہیں تھی ۔ہر آنے والے کو خندہ پیشانی سے ملنا، کسی کی طویل ملاقات کی گراں باری پر ردعمل کی بجائے غیر محسوس انداز میں ایڈیٹر کو مخاطب کر لینا، ہر آنے والے کی خاطر تواضع کرنا، ان کا معمول تھا۔وہ پرانی وضع قطع کے انسان تھے۔ایسی ہی وضع داری، روایات اور اقدار کی نمائندگی ابن انشا اور سجاد ظہیر کے خاکوں میں بھی ملتی ہے۔

میرزا ادیب کے یہ خاکے، لاہور کی تہذیبی بازیافت اور مشرقی اقدار کے نمونے کے ساتھ ساتھ ادبی فضا کی عمدہ تشکیل کی بھی اہم مثال ہیں ۔مختلف رسائل، اُن کے مُدیران، رسائل کے مزاج وخصوصیات، ترقی پسند تحریک کے رسائل پر اثرات، رومانی تحریک کے نمایاں رجحانات اور مختلف ادیبوں کے ادبی معرکوں کو بھی خاکوں کا حصہ بنایا ہے۔عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں ماہ نامہ نیرنگ خیال، عالمگیر کی خصوصیات اور ان کے تقابل کو پیش کیا ہے۔''نیرنگِ خیال'' کا گٹ اپ اور خاص نمبر اہم خصوصیات ہیں۔اس کے علاوہ تصویروں کے بارے میں خاص نظموں کی اشاعت بھی اہم خوبی تھی۔اس حوالے سے اختر شیرانی کی نظمیں اور عبدالرحمٰن چغتائی کی بنائی گئی تصویروں کی اشاعت نمایاں خوبی تھی ۔رسالہ ''عالمگیر'' میں عام دلچسپی کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔خاص نمبروں اور سالناموں میں غزلیں، بلاک بنا کر چھاپی جاتی تھیں ۔''عالمگیر'' میں پرانے لکھنے والوں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی ۔''نیرنگ خیال'' اور ''عالمگیر'' کا تقابل بھی کیا گیا ہے ۔''نیرنگ خیال'' کے مصور، عبدالرحمٰن چغتائی اور ''عالمگیر'' کے مصور اللہ بخش بخیم فقیر محمد چشتی تھے ۔''نیرنگ خیال'' کے مدیر حکیم یوسف حسن خود ادیب تھے جب کہ ''عالمگیر'' کے مُدیر حافظ عالم ایک کاروباری آدمی تھے ۔''نیرنگ خیال'' کے مضامین اور نظم ونثر میں تنوع اور وسعت تھی جب کہ ''عالمگیر'' میں ہلکے قسم کے مزاحیہ مضامین، نظموں، غزلوں اور افسانوں کے علاوہ کچھ نہیں چھپتا تھا۔ترقی پسند تحریک سے پہلے اُردو رسائل کے مزاج کی بابت لکھتے ہیں:

> ''اُردو کی ترقی پسند تحریک سے بیشتر مذہبی اور تحقیقی رسائل وجرائد کو چھوڑ کر باقی رسالے کسی قسم کی ادبی پالیسی متعین کر کے شائع نہیں ہوتے تھے۔ہر رسالے کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ عام دلچسپی کی خبریں زیادہ سے زیادہ اور خوب صورت سے خوب صورت انداز میں پیش کرے۔چنانچہ ان مقالات کو جن میں تحقیقی یا تنقیدی رنگ غالب ہو بہت کم اہمیت دی جاتی تھی۔افسانوں کا حصہ سب سے زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔مزاحیہ مضامین بھی ضرور شریک اشاعت ہوتے تھے۔نظمیں زیادہ ہوتی تھیں اور غزلیں کم۔''(۶)

میرزا ادیب نے رومانی تحریک اور اس کے علم برداروں پر تبصرے، اختر شیرانی کے خاکے میں کیے ہیں، جہاں اُنھوں نے رومانی مصنفین کا تعارف دیا ہے۔سجاد حیدر یلدرم نے ترکی ادب سے استفادہ کیا۔سلطان حیدر جوش کے ناول ''ابومسلم'' پر آسکر وائلڈ کے اثرات ہیں۔سجاد انصاری، زندگی کی سب سے بڑی قدر، نسوانی حسن کو

قرار دیتے ہیں اور ابوالکلام آزاد کے جذباتی اور بلند آہنگ اندازِ نگارش کو سراہتے ہیں ۔میرزا ادیب، شدید قسم کی جذباتیت کو رومانی نثر کی جان سمجھتے ہیں ۔

میرزا ادیب نے ادبی فضا کی تشکیل کرتے ہوئے ادیبوں کی ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی اور معرکہ آرائی کو بھی نشان زد کیا ہے ۔اختر شیرانی کے خاکے میں بشیر ہندی اور آغا حشر کاشمیری کی معرکہ آرائی کو بیان کیا ہے ۔بشیر ہندی، نیم ادبی رسالے ''فلمستان'' میں آغا حشر کے خلاف لکھتے تھے، اُن کے ساتھ محمود نظامی بھی شامل ہوتے تھے ۔آغا حشر نے بشیر ہندی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا کیس کیا تو آغا کو کیس کی پیروی کے سلسلے میں لاہور آنا پڑتا تھا ۔بشیر ہندی نے اختر شیرانی کے کہنے پر اس کیس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی ۔اس خاکے میں بشیر ہندی کے ایک اور معرکے کا بھی حوالہ دیا ہے ۔بشیر ہندی، سعادت حسن منٹو کے بھی شدید مخالف تھے ۔منٹو رسالہ ''مصور'' میں ''بمبئی کے کالم'' کے عنوان میں بال کی کھال اتارتے ہوئے بشیر ہندی کی چٹکی بھی لیتے رہتے تھے ۔منٹو کے لاہور آنے کے بعد، دونوں کے تعلقات کشیدہ رہے ۔ابن انشا کے خاکے میں ناصر کاظمی اور پروفیسر شہرت بخاری کی آپسی نوک جھونک کا بیان شامل ہے ۔عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں ''نیرنگ خیال' اور'' عالمگیر'' کے مدیران، حکیم یوسف حسن اور حافظ عالم کی آپس میں برسرِ پیکار رہنے کی صورت کو بھی عیاں کیا ہے ۔حافظ عالم، مدیر نیرنگ خیال کو تنگ نظر اور تنگ ظرف کہتے تھے تو حکیم یوسف حسن بھی اُن پر الزامات کی بارش کرتے تھے ۔منٹو کے خاکے میں، منٹو کے رسالہ ''مصور'' میں فلم ڈائریکٹر اے آر کاردار کے خلاف لکھنے کا ذکر کیا ہے ہفت روزہ ''دین ودنیا'' میں منٹو کے خلاف لکھ کر اُسے عریاں نگار ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی ۔دیویندر ستیارتھی اور منٹو بھی مختلف افسانوں میں ایک دوسرے کی خبر لیتے رہے ۔ایک دفعہ ستیارتھی نے بیدی سے مدد لے کر منٹو کے خلاف، اپنے افسانے میں اشارا کیا ۔

میرزا ادیب نے اپنے خاکوں میں بعض ادبی مباحث کو بھی جگہ دی ہے ۔عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں حالی کے مندرجہ ذیل شعر پر بحث شامل کی گئی ہے:

حالی اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

اس شعر پر ناقدین میں ادبی بحث خاصی طول پکڑ چکی تھی ۔مثلاً سید اختر تلہری مغربی سے مراد فارسی شاعر کی تقلید قرار دیتے ہیں، جب کہ سید احتشام حسین اس سے مراد مغربی علوم وفنون، سائنس اور ٹیکنالوجی لیتے ہیں ۔رسالہ ''خیام'' کی ہر اشاعت میں اس حوالے سے کم از کم ایک مضمون ضرور چھپتا تھا ۔سید احتشام حسین بحث میں غیر سنجیدگی پر اعتراض کرتے تھے، سید اختر تلہری، دلائل دینے کی بجائے، اُن پر طعن وتشنیع شروع کر دیتے ۔

میرزا ادیب نے عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں تخلیقی واردات اور اس کے بیان کے طریقہ کار کی وضاحت

بھی کی ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:

''ایک فن پارے کی تخلیق کے سلسلے میں وقت بڑا اہم رول ادا کرتا ہے۔ایک یورپی مصنف کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے وقت مجھے معلوم ہوا تھا کہ لکھتے وقت جب کبھی وہ الجھن میں گرفتار ہو جاتا تھا تو وہ زیر تحریر چیز کو اٹھا کر کہیں رکھ دیتا تھا اور یہ کوشش کرتا تھا کہ اس کے بارے میں کبھی نہ سوچے، اتنے دن کے لیے وہ کوئی اور مصروفیت ڈھونڈ لیتا تھا۔کئی دن بلکہ بعض اوقات کئی ہفتے گزر جاتے تھے اور پھر ایک دن اچانک ایک FLASH آتا تھا اور وہ الجھن دور ہو جاتی تھی۔مصنف اپنی تخلیق مکمل کر لیتا تھا۔''(۷)

میرزا ادیب بعد ازاں یورپی مصنف کے اس خیال کی طویل وضاحت بھی کرتے ہیں کہ بعض خیالات غیر شعور میں چلے جاتے ہیں وہاں پرورش پاتے ہیں اور الجھن دُور ہو جانے کے بعد چوں کہ مسلسل غیر شعوری عمل، واقعاتی ڈھانچے کو مکمل کر دیتا ہے، اس لیے تحریر مکمل ہو جاتی ہے۔وہ ضیاء الدین شمسی کی افسانے کی تخلیق میں مہینوں کی ریاضت کو اسی عمل کی دین قرار دیتے ہیں۔

میرزا ادیب نے اپنے خاکوں میں بعض مقامات پر اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بیان میں بھی بے لاگ رویہ اپنایا ہے۔ابن انشا کے خاکے میں خود کو خاموش طبع آدمی قرار دیا ہے۔عبدالرحیم شبلی جب دفتری کاموں میں مصروف ہوتے تو کوئی دوست اُن سے ملنے آ جاتا تو ان کے ماتھے پر ناگواری کے احساسات ابھرتے تھے بلکہ میرزا صاحب کو وہ تشریف لے جانے کے لیے کہہ دیتے تھے۔اس واقعہ کے بیان میں میرزا ادیب کی سادگی، معصومیت اور شرافت کے احساسات کی عکاسی ملتی ہے۔اسی خاکے میں وہ اپنی ذات کے لطیفہ بن جانے کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ ایک خط میں میرزا ادیب نے عبدالرحیم شبلی سے پوچھا تھا کہ یہ عبدالرحیم شبلی بی۔کام کیا ہوتا ہے، بی۔اے کام ہونا چاہیے، بعد ازاں عبدالرحیم شبلی، میرزا ادیب کی کم علمی کا مذاق خود کو تین دفعہ بے۔اے کام کہہ کر اڑاتا تھا۔اس واقعے کے بیان میں میرزا ادیب اپنی سادگی کو ہی بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔منٹو کے خاکے میں اپنے اوصاف خاموش طبعی، کم آمیزی اور فرض شناسی گنواتے ہیں۔

میرزا ادیب نے عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں حافظ محمد عالم مدیر ''عالمگیر'' کا راز بھی افشا کیا ہے کہ وہ اداریے کا عنوان ''ملاحظات'' خود لکھنے کی بجائے کسی سے لکھواتے تھے کیوں کہ جب ایک شمارے کی ادارت میرزا ادیب نے کی اور اداریہ خود لکھا اور اس کی اشاعت حافظ عالم کے نام سے ہوئی، تو حافظ عالم کی اس حرکت کا انھیں بھی علم ہو گیا۔

میرزا ادیب نے خاکوں میں ملازم کرداروں کی شخصیت بھی نمایاں کی ہے، اس حوالے سے اختر شیرانی کا ملازم، کالے خاں اور حافظ عالم کا معتمد خاص مصعب علی اور حاکم علی اہم ہیں۔یہ ملازم ہمہ وقت مستعد اور فرائض کی

انجام دہی میں مصروف اور قابلِ اعتماد ہیں۔

میرزا ادیب مختلف حرکات و عادات کی نفسیاتی توجیہہ بھی بیان کرتے ہیں۔حافظ عالم کے اعتماد کا سبب قرآن مجید کا حافظ ہونا اور علم سے کم بہرہ مندی میں ڈھونڈتے ہیں۔میرزا ادیب،عبدالرحیم شبلی کے ہر وقت سوچتے رہنے کی نفسیاتی توجیہہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''تمھاری تربیت جس قسم کے سخت ماحول میں ہوئی ہے اس میں آدمی سہم سہم کر جیتا ہے۔پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے۔ڈر ڈر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے، جو دل میں ہو زبان پر نہیں لا سکتا، ہر وقت سوچتا رہتا ہے۔''(۸)

میرزا ادیب،شخصیات کی نفسیات سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔اُن کے خاکوں میں نفسیاتی ادراک کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔اُنھوں نے اپنے خاکوں کی بُنت میں شرقی و مغربی ادبا کی مختلف تحریروں اور کتب کی نشان دہی یا اُن کے اقوال سے بھی مدد لی ہے۔ابن انشا نے ایڈگر ایلن پو کی کہانیوں کا ترجمہ ''اندھا کنواں'' کے نام سے شائع کروایا۔ابن انشا کی نظم ''مضافات'' جو ان کے مجموعے ''چاند نگر'' میں شامل ہے کا ذکر بھی کیا ہے۔جرمنی فلسفی کانٹ کی وقت کی پابندی کی مثال دی ہے کہ وہ جب یونی ورسٹی یا سیر کے لیے گھر سے نکلتا تو لوگ اسے دیکھ کر اپنی گھڑیوں کا وقت درست کرتے تھے۔عبدالرحیم شبلی نے خالدہ ادیب خانم کے ناول ''دی ڈاٹر آف دی کلاؤن'' کا اُردو ترجمہ ''ربیعہ'' کے نام سے کیا۔شیکسپیئر کے ''جولیس سیزر'' کے مکالمے،منٹو کے خاکے میں شامل کیے ہیں۔

میرزا ادیب کے خاکوں کے آغاز متنوع ہیں۔اختر شیرانی کے خاکے کا آغاز منظریہ ہے،اشعار سے جن خاکوں کا آغاز ہوا،اُن میں؛اختر شیرانی،شاہد احمد دہلوی،مصطفیٰ زیدی کے خاکے شامل ہیں۔سجاد ظہیر اور سعادت حسن منٹو کے خاکے کا آغاز، واقعہ سنانے کے انداز سے ہوا ہے۔ابن انشا کے خاکے کا آغاز،ہندوؤں کے میلے کنبھ کی ایک روایت کے تعارف سے کیا گیا ہے اور دیویندر ستیارتھی کا خاکہ، بزرگ کے قول سے شروع ہوتا ہے۔مولانا صلاح الدین احمد کے خاکے کا آغاز اور انجام،ایک جیسے یعنی فسادات ۱۹۴۷ء کے اثرات کے بیان پر مشتمل ہیں۔دیویندر ستیارتھی کے خاکے کے آغاز میں چونکانے کا عمل بھی کارفرما ہے۔ایک ہی شخص کو تین مرتبہ دیکھنے کے تین طرح کے مختلف ردِعمل، ٹھٹکنے،سوچنے اور گھبرانے، سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اُنھوں نے خاکوں میں اشعار اور مصرعوں کا برمحل استعمال کثرت سے کیا ہے،جن شعرا کے اشعار استعمال کیے گئے ہیں اُن میں؛آغا حشر کاشمیری،میر تقی میر،ابن انشاء،ریاض اختر آبادی،الطاف حسین حالی،فیض احمد فیض،تیغ الہ آبادی اور افغانی شیرازی شامل ہیں۔آغا حشر کی ایک مکمل غزل بھی پیش کی گئی ہے۔ایک پنجابی گانے ''جگا جمیا تے ونڈن پتاسے تے وڈا ہویا ڈاکے ماردا'' کا ذکر عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں ملتا ہے۔وہ منظر کی جزئیات کا بھی مکمل بیان کرتے ہیں۔اختر شیرانی کے کمرے کی منظر کشی دیکھیے:

''خاموشی سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔چھوٹا سا کمرہ تھا۔دروازے میں سے داخل ہوں تو بائیں دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی تھی۔چارپائی سے کچھ فاصلے پر ایک میز تھی جس پر کاغذات نظر آ رہے تھے۔کچھ رسالے تھے،چینی کی ایک چھوٹی سی پلیٹ تھی جس کے اوپر پان کا ایک ٹکڑا نہ جانے کب سے پڑا تھا۔پڑا پڑا سوکھ چکا تھا۔میز کے آگے بہ مشکل تین کرسیوں کی گنجائش نکالی جا سکتی تھی۔''(۹)

میرزا ادیب نے جو محاورے استعمال کیے ہیں۔اُن میں ؛ہوا دینا، مل پڑنا، لت پڑنا، آپے سے باہر ہونا، اندھوں میں ریوڑیاں بانٹنا، آنکھیں پھٹی رہنا، ست نکالنا، بغلیں جھانکنا، پتھر سمجھ کر چوم رکھنا، باچھیں کھلنا، حاتم طائی کی قبر پر لات مارنا، ہوش کے ناخن لینا، ٹس سے مس نہ ہونا، طرح دینا، اور منہ میں پانی بھر آنا شامل ہیں۔اسی طرح ضرب الامثال سے بھی کام لیا ہے جیسا کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے، سونے پہ سہاگہ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا اور کھیل ختم پیسہ ہضم وغیرہ شامل ہیں۔اُنھوں نے روزمرہ معمولات سے تشبیہات کا حسن پیدا کیا ہے۔ چند مقامات پر رومانی رنگ کی تشبیہات ہیں۔کیفیات کے مطابق تشبیہ کا رنگ دیکھیے:

''آنکھوں میں رمق کا احساس ہوتا تھا۔ان میں بھی بلا کی افسردگی تھی ایسی افسردگی جیسی اس دھوئیں میں ہوتی ہے جو آگ بجھ جانے کے بعد چولھے کے آس پاس تھوڑی دیر کے لیے لرزتا رہتا ہے۔''(۱۰)

وہ کیفیات کے بیان کی بھی عمدہ مثالیں لے کر آتے ہیں مثلاً ستیارتھی کی ہنسی کو فاصلے پر موجود دو شیشے کے گلاسوں کے آپس میں ٹکرانے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔کنہیالال کو پہلی دفعہ دیکھا جائے تو لگتا ہے ہسپتال سے آئے ہیں جس کا سبب اُن کی شکل وصورت اور پھٹی جلد ہے۔اس کے ساتھ ساتھ بوسیدہ اور بدنما کتابت بھی رکھتے ہیں۔ستیارتھی کے داڑھی کٹوانے کو ایک ایسے مسافر کی مثال دی ہے جس کا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے۔مشابہت کی ایک اور مثال دیکھیے:

''اس نے تربوز کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے رکھا تھا۔اسے ایسی حالت میں دیکھ کر مجھے اپنی دوسری جماعت کے اُردو نصاب کا وہ ''سبق'' یاد آ گیا جس میں ماں بچے کو گود میں لیے بیٹھی ہے اور باپ حقہ پی رہا ہے۔یہاں معاملہ یہ تھا کہ باپ بچے کو گود میں لیے کھڑا ہے اور ماں غائب ہے۔''(۱۱)

میرزا ادیب نے خاکوں میں ہندی لفظیات کا خاصا استعمال کیا ہے۔ہندی الفاظ میں، کارن، مہاپرش، تپسیا، یاتری، باشی، درشن، سواگت، آنند سروپ، سیس، پوتر، آشا، نراشا، مہاودوان اور اشیرباد وغیرہ شامل ہیں۔ اُنھوں نے خاکوں میں اضافی و عطفی تراکیب سے بھی خوب مدد لی ہے۔تراکیب کی مثالیں دیکھیے:

متاعِ ننگ وناموس، مدتِ مدید، عزت وتکریم، فرطِ مسرت، بے باکی وحق گوئی، خلوتیانِ راز، فروزانِ چراغ، مژدہ جان فزا، اسلوبِ حیات، سنتِ نجد وفا، جوشِ فراواں، نسیم سحر گاہی، آبِ زلال، عز وشرف، متاعِ بے بہا، آتشِ شوق، دستِ جنوں، کفِ دست، گلدستۂ طاقِ نسیاں، الطافِ کریمانہ، شاداں وفرحاں، نقدِ لب ودنداں، مائدہ عام، بناشتِ رفتہ، فرطِ عقیدت، موجِ کیف، محشرِ آرزو، نکہتِ بدامن، عطر بہ پیراہن اور طائرانِ شکستہ پر، وغیرہ شامل ہیں۔

میرزا ادیب نے خاکوں میں مزاح، شگفتگی اور لطیفوں کا رنگ بھی جمایا ہے۔ سعادت حسن منٹو کے خاکے میں اوپندر ناتھ اشک کا ایک لطیفہ پیش کیا ہے۔ مزاح کا پہلو، جن خاکوں میں جلوہ گر ہے اُن میں ؛اختر شیرانی، عبدالرحیم شبلی اور ابن انشا کے خاکے شامل ہیں۔ مزاح کے ساتھ ساتھ موسیقیت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ جس کے لیے وہ صوتی تکرار سے بھی مدد لیتے ہیں۔ صوتی تکرار سے موسیقیت پیدا ہونے کی مثال دیکھیے:

''جرابوں کا جوڑا، بوٹوں کے جوڑے میں ٹھونسا۔''(۱۲)

اس مثال میں ''ج''، ''ٹ'' اور ''ڑ'' کی صوتی تکرار، صوتی آہنگ کا سبب بن رہی ہے۔

میرزا ادیب کے خاکوں کی ایک نمایاں خوبی، بے تکلفی بھی ہے۔ خاص طور پر ''اختر شیرانی'' اور ''عبدالرحیم شبلی'' کے خاکے میں مخاطب کا انداز، ایسا ہے کہ جیسے دو بے تکلف دوست آمنے سامنے بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں اور اس گفتگو میں راز ونیاز کا در بھی کھلتا ہے۔ اختر شیرانی کے خاکے میں میرزا ادیب نے اُن کے لیے ''آپ'' کو حرفِ مخاطب کے طور پر اختیار کیا ہے۔

اسمائے صوت میں ''کھٹ کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ'' اور ''گھڑ گھڑ'' استعمال ہوئی ہیں۔ تابع مہمل میں ''جھومتے جھامتے''، ''ترتیب وترتیب''، ''تاول واول'' اور ''گھیر گھار'' شامل ہیں۔

میرزا ادیب، رومانی نثر لکھنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کے خاکوں میں یہ اسلوب اپنا خاص رنگ دکھاتا ہے۔ عبدالرحیم شبلی کے خاکے کے اختتام کا رومانوی اسلوب ملاحظہ کیجیے:

''وہ دیکھو سامنے روشنیوں کی ایک دنیا آباد ہے۔ وہ دیکھو کچھ فاصلے پر منظر کتنا شاداب ہے۔ سورج کی شعاعیں کتنی پیاری ہیں۔ اُفق تا اُفق، روشنی ہی روشنی ہے۔ اندھیروں سے بہت دوستی ہو چکی۔ اب روشنیوں کی طرف بھی ہاتھ بڑھاؤ گے تو تم دیکھو گے کہ سورج تمھارے قریب آ گیا ہے، چاند تمھارے سر کے عین اوپر مسکرا رہا ہے اور ستاروں کی ان گنت آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھی ہیں۔''(۱۳)

اُنھوں نے کچھ تکنیکوں کو بھی خاکوں کی زینت بنایا ہے۔ اُن کی محبوب تکنیک ؛خط کی تکنیک کا استعمال اختر شیرانی کے خاکے میں اختر شیرانی کا بشیر ہندی کے نام خط اور سجاد ظہیر کے خاکے میں، ظہیر کا خط بنام میرزا ادیب

شاملِ خاکہ ہیں ۔کہانی سنانے کی تکنیک،عبدالرحیم شبلی،میاں محمد اسحاق اور دیویندر ستیارتھی کے خاکوں میں استعمال کی گئی ہے ۔عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں،خلیل جبران کی کہانی اور ضیا الدین شمسی کے افسانہ ''رباب'' کا مرکزی قصہ،میاں محمد اسحاق کے خاکے میں،بچپن کی کہانیاں،الف لیلیٰ کی کہانی سے اقتباسات اور دیویندر ستیارتھی کے خاکے میں،سعادت حسن منٹو کے افسانے کا پلاٹ شامل کیا گیا ہے ۔اختر شیرانی کے خاکے میں،آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''رستم وسہراب'' کے منظر کی کہانی شاملِ خاکہ کی گئی ہے ۔ابن انشا کے خاکے میں،مثنوی سحرالبیان کے واقعے سے بھی مواد اخذ کیا گیا ہے ۔ان کے خاکوں میں،خامیوں کی طرف بشیر سیفی نے یوں اشارا کیا ہے :

> ''شبلی بی کام کے خاکے میں شخصیتوں کا وہ ہجوم ہے کہ خاکہ کی اصلی شخصیت بار بار پس منظر میں چلی جاتی ہے .....اگر وہ ذرا سی محنت کرتے تو ساٹھ صفحات پر مشتمل کتاب کا یہ طویل ترین مضمون کئی خاکوں میں منقسم ہوسکتا تھا اور اس طرح یہ مختلف مضامین شاید کسی حد تک خاکہ بھی بن جاتے جب کہ موجودہ صورت میں یہ مضمون اور کتاب کے دیگر مضامین خاکہ نگاری سے بہت دور ہو گئے ہیں کیوں کہ خاکہ نگاری بہر حال یادنگاری سے علیحدہ صنف ہے ۔''(۱۴)

میرزا ادیب کے خاکوں میں تکرار بھی نظر آتی ہے ۔عبدالرحیم شبلی کے خاکے میں واقعات کی تکرار، اکتاہٹ اور بیزاری کے احساسات نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں ۔

درج بالا تجزیے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ میرزا ادیب کی خاکہ نگاری ،اس صنف کی مبادیات وشعریات پر نہ صرف پورا اُترتی ہے بلکہ اس صنف پر مکمل دسترس کا نمونہ ہے ۔اُنھوں نے موضوع شخصیات کی خوبیوں اور خامیوں کے متوازن بیانیے کے لیے عمدہ واقعات کا انتخاب کیا ہے ۔اُن کے خاکوں میں لاہور کی تہذیبی بازیافت کے ساتھ ادبی حقائق کی پردہ کشائی بھی ملتی ہے ۔حُلیہ نگاری،لباس،شخصی اوصاف،تخلیقی وتحقیقی خدمات، ادبی معرکے،رومانی اسلوب ،اختصار،ایمائیت ،بے تکلفی اور شگفتگی ،ان کی خاکہ نگاری کی نمایاں خصوصیات ہیں ۔وہ موضوع شخصیت کی خاکہ نگاری کے ساتھ دیگر شخصیات کی مختصر تصویریں یا مرقعے بھی کھینچ دیتے ہیں ۔میرزا ادیب نے اُردو ادب کو ایسے خاکے دیے ہیں جو ادبی دنیا کا تہذیبی البم بنتے دکھائی دیتے ہیں ۔یہی منفرد خصوصیات ،اُن کی خاکہ نگاری کو،اُردو خاکہ نگاری کی روایت میں اعتبار بخشتی رہیں گی ۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) غلام حسین اطہر، ڈاکٹر، ناخن کا قرض، مشمولہ میرزا ادیب: شخصیت اور فن، مرتب: ڈاکٹر رشید امجد، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص ۵۶۷/ ۵۶۶

(۲) میرزا ادیب، ناخن کا قرض، لاہور: امتزاج پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۵۹

(۳) ایضاً، ص ۱۷۳

(۴) ایضاً، ص ۹۹

(۵) ایضاً، ص ۱۴۹/ ۱۴۸

(۶) ایضاً، ص ۱۱۴

(۷) ایضاً، ص ۱۴۰

(۸) ایضاً، ص ۱۶۳

(۹) ایضاً، ص ۲۶

(۱۰) ایضاً، ص ۲۲۸

(۱۱) ایضاً، ص ۱۴۳

(۱۲) ایضاً، ص ۱۵۱

(۱۳) ایضاً، ص ۱۶۴

(۱۴) بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری، فن و تنقید، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۳ء، ص ۹۲